اختر الایمان کی نظم "اپاہج گاڑی کا آدمی" کے انگریزی ترجمہ کا تنقیدی مطالعہ

A Critical Study of English Translation of Akhtar- ul- Iman’s Poem “Apahaj Gaari Ka Aadmi”

ڈاکٹر محمد قاسم

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

Abstract:

Akhtar-ul-Iman is a significant name of modern Urdu poetry. Akhtar's poems debate important existential and social issues beyond the traditional themes.His poems reflect specific cultural items. He has specific ideology about poetry, and he considers poetry as a useful task rather than a mere chore. His poems are not the product of a single moment but there is a coherent thought system behind them. One of the characteristics of his personality is that he was not fond of exposing his poems but wanted to make his poems effective and useful. This is the reason why he used to have a critical view of his own poems. At first, his poems did not get the acceptance they deserved, but soon his poetry made its place in the field of modern Urdu poetry. When critics turned towards Akhtar’s poetry, his individuality became more evident. The popularity of his themes also attracted the attention of translators and English translations of his poems came into existence. However, there is no research based on the merits and demerits of these translations. "Apahaj Gaari Ka Aadmi" is an important poem of Akhtar-ul-Iman that has been translated into English. This paper presents a critical study of the said English translation.

کلیدی الفاظ: اختر الایمان، جدید اردو نظم، اپاہج گاڑی کا آدمی، انگریزی ترجمہ ، تنقیدی مطالعہ ،وجودی مسائل، سماجی مسائل، ثقافتی عناصر

اختر الایمان (۱۹۱۵-۱۹۹۶) جدید اردو نظم کے اہم شاعر ہیں۔ وہ برصغیر کی تقسیم سے پہلے ہی اپنی ادبی شناخت بنا چکے تھے لیکن ان کو اصل شہرت قیام پاکستان کے بعد ہی ملی۔ ان کی شہرت کا محرک ان کے غیر تحریکی اور غیر نظریاتی رویے ہیں۔ اختر کا دور ذہنی و فکری تغیرات کا دور ہے۔ ترقی پسند تحریک باقاعدہ طور پر قائم ہو چکی تھی اور یہ اس کے دوسرے دور کے آغاز کا عہد تھا۔ ساتھ ہی حلقہ ارباب ذوق کی صورت میں ایک الگ رجحان کی تشکیل ہو رہی تھی۔ اختر کے فہم و شعور کی پختگی کا زمانہ جدید نظم کے عروج کا زمانہ تھا۔ اس وقت کے نمایاں نظم نگاروں میں میرا جی، راشد اور فیض کے نام شامل ہیں۔ اختر کے عہد کے شعرا کسی نہ کسی طور کسی نہ کسی تحریک سے ضرور ہی وابستہ نظر آتے ہیں اور اس وابستگی کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ان تحاریک نے ان شعرا کی شہرت و مقبولیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اختر کا اختصاص یہ ہے کہ وہ اس روایت سے منحرف ہوتے ہوئے ان تحریکوں سے دور ہی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ادبی عہد کے آغاز میں انہیں وہ مقام نہ ملا جس کے وہ حق دار تھے۔ وہ ایسے غیر تحریکی شاعر ہیں جنہوں نے جدید اردو نظم کو کئی نئے تجربات سے گزارتے ہوئی موضوعاتی تنوع سے آشنا کیا۔ نظم میں ان کے تجربات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے اپنے وقت کی نوزائیدہ صنف یعنی نظم آزاد کو سماجی و معاشرتی اظہار کا آلہ بناتے ہوئے اسے فنی اظہار کی معراج تک پہنچایا۔

اختر کی نظموں کا پہلا مجموعہ ۱۹۴۲ء میں "گرداب" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں شامل نظمیں ایک طرف انسان کے اپنی ذات کے گرداب میں الجھ جانے کا نوحہ ہیں تو دوسری طرف یہ نظمیں سماجی اقدار کے انہدام، وقت کی سفاکانہ طینت، حق و باطل کی معرکہ آرائی اور ان عناصر کے تناظر میں پنپنے والے عصری شعور کا اظہار بھی ہیں۔ ان نظموں کی تخلیق میں اختر کی داخلی کیفیات اس طرح حلول ہیں کہ ایک طرف ان نظموں کی حیثیت اختر کے عہد کی دستاویز کی ہے تو دوسری طرف یہ نظمیں خود اختر کی داخلی دنیا کی بھی غماز ہیں۔ گویا یہ نظمیں بیک وقت ایک شخصیت بھی ہیں اور ایک عہد بھی۔ صنعتی نظام کے تحت زوال پذیر اقدار و معاشرت کی عکاسی کرنے والی نظمیں خود اختر کی شخصیت کے انحطاط کی بھی عکاس ہیں۔ معاشرتی و سماجی تخریب اختر کے وجود میں بھی مکمل رچ بس گئی جس کا اظہار ان کی کئی نظموں میں ملتا ہے۔ اختر کی نظموں کا دوسرا مجموعہ "تاریک سیارہ" کے عنوان سے ۱۹۵۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے کی نظمیں ملائمت اور حلاوت کے ساتھ ساتھ رجائیت پر مبنی ہیں۔ ان نظموں کے توسط سے اختر نے نئی انسانیت کا عندیہ پیش کیا ہے اور تخریب سے تعمیر کا اشارہ دیا ہے۔ ۱۹۵۹ء میں نظموں کا اگلا مجموعہ "آب جو" شائع ہوا۔ اس مجموعے کے آغاز میں اختر اپنی نظموں کا

مقدمہ خود لڑتے ہیں اور گرداب کی اکثر نظموں پر قنوطیت کے الزام کو وہ یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ شاعری پڑھنے کے لیے سنجیدہ ہونا ضروری ہے تاکہ اس قسم کا ابہام نہ رہے۔ ۱۹۶۱ء میں اختر الایمان نے اپنا اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے سے اختر کی شاعری کے مجموعے "یادیں"، "بنت لمحات"، "نیا آہنگ"، "سر و ساماں" اور "زمین زمین" شائع ہوئے۔ یہ مجموعے اختر کی زود گوئی پر تو دلالت کرتے ہی ہیں، جدید نظم میں موضوعات کا تنوع اور نظم گوئی میں سنجیدہ اقدار کی عکاسی بھی ان مجموعوں سے ثابت ہے۔ یہ مجموعے اختر کے فکری ارتقا کے غماز ہیں۔ "بنتِ لمحات" کے آغاز میں اختر اس مجموعے کی انتشاری شاعری کی توجیہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شاعری ان کی (اس دور کے منتشر) انسان سے محبت کا شاخسانہ ہے۔ "نیا آہنگ" کی نظموں کو وہ ٹوٹے ہوئے آدمی کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ "سر و ساماں" کا شعری بیانیہ فرد کی شکستگی سے کچھ آگے سماج کی شکستگی کا اظہار ہے اور "زمیں زمیں" میں یہ سماج پوری دنیا پر محیط نظر آتا ہے۔ یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ اختر کی شاعری کا آفاق صرف موضوعات کے اعتبار سے ہی وسیع نہیں بلکہ اس میں مخصوص ثقافتی عناصر کی مرصع سازی بھی پورے اہتمام سے ملتی ہے۔ اختر کی نظمیں موضوع برائے موضوع کا بیان نہیں بلکہ انتہائی مناسب لفظیات کے ساتھ مخصوص سماج و ثقافت کی عکاس بھی ہیں۔ ن کے ہاں شاعری کا تقدس مذہب کے تقدس کے مساوی ہے اور وہ اپنے قاری سے بھی اسی رویے کا تقاضا کرتے ہیں۔ شاعری چونکہ ان کے لیے کارِ لغو نہیں، اس لیے اکثر نظموں کے پیچھے ایک طویل سلسلۂ تفکر ملتا ہے۔

اختر کے آخری مجموعہ "زمیں زمیں" کی ایک اہم نظم "اپاہج گاڑی کا آدمی" کے عنوان سے ہے۔ نظم میں متفرق موضوعات کو ہم آہنگ کیا گیا ہے۔ فرد کی شناخت، خدا کا وجود، قادر و تقدیر کے مباحث، عقیدے اور مذہب کی بحثیں، سماجی تفریق جیسے انتہائی اہم موضوعات کو موتی موتی نظم کی ڈوری میں پرو دیا گیا ہے۔ یہ نظم بھی اختر کی دیگر کئی نظموں کی طرح صیغہ واحد متکلم کا بیانیہ ہے البتہ کہیں کہیں واحد متکلم جمع متکلم میں بدل جاتا ہے۔ نظم کا متکلم اپنے گرد و پیش کا مشاہدہ کرتے ہوئے کچھ سوال بنتا ہے اور کسی حد تک خود ہی ان کے جواب بھی تجویز کرتا ہے۔ نظم کا ابتدائی حصہ معاشرتی تفاوت اور معاشرے میں مروجہ معیاری پیمانوں کا بیانیہ ہے۔ ہر آدمی اپنی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی کے تعین کے لیے مختلف پیمانے وضع کرتا ہے، کوئی وقت کو تو کوئی خوراک کو کوئی خوب صورتی کو تو کوئی تکالیف کو اور کوئی اپنے اعمال کو اپنی زندگی کی پیمائش کا آلہ بناتا ہے۔ لیکن شاعر اپنی زندگی کو اپنے پامال عزائم کی روشنی میں جانچتا ہے۔ وہ سوال کرتا ہے کہ کیا گزرے ہوئے لمحے میں اس کے خون نے بھی کچھ رنگ ریزی کی ہے اور کیا گزرے ہوئے لمحے کی لذت کو اس کے آنسوؤں کے نمک نے بڑھا دیا ہے یا نہیں؟ ان سوالات کا مقصد اس امر کا تعین کرنا ہے کہ کیا وقت کی تعمیر میں شاعر کا بھی کچھ حصہ ہے؟ یا یہ کہ کیا

وقت شاعر کے مرہونِ منت ہے؟ وقت کے سفر کا کوئی انت نہیں، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسے مکمل وقت ملا ہے۔ انسان کی وہی خواہش دراصل خواہش ہے کہ جو تشنہ ہے، تکمیل ہو تو تشنگی نہیں رہتی۔ انسان کی خواہشات کبھی ختم نہیں ہوتیں، یہ "لا" کا سفر ہے۔ شاعر مسؤل ہے کہ کیا کبھی اس لا کے سفر سے کچھ حاصل بھی ہوتا ہے کہ نہیں؟ کیا ازل کی تشنگی ہنوز قائم ہے؟ شاعر اپنی ذات کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ ازل سے سفر میں ہے اور اسے نہیں معلوم کہ اس کے سفر کی منزل کیا ہے؟ اس نے زندگی کی کئی بہاروں کو نگل لیا ہے، برت کر پرانا کر ڈالا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ریشم کے کیڑے سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ جس طرح ریشم کا کیڑا اپنا ہی گھر کھاتا رہتا ہے اور ایک دن اس گھر سے باہر نکل آتا ہے بالکل اسی طرح شاعر بھی اپنے گھر کو خود ختم کرکے بے گھر ہو رہتا ہے۔ امکان ہے کہ گھر اس کی منزل نہیں۔ وہ اپنے جینے کا اصل مقصد جاننا چاہتا ہے لیکن ناکام ہے۔ ایک طرف وہ خدا کی رضامندی کا طالب ہے اور دوسری طرف اس کا جسم دنیاوی لذات کا عادی ہو چکا ہے۔ ان دو کیفیات کے درمیان وہ پنڈولم کی طرح جھول رہا ہے۔ اچانک ہی اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کسی حادثاتی لمحے کی پیداوار ہے، اس کے وجود کے پیچھے کوئی فکری سلسلہ نہیں ہے بلکہ اس کے سامنے گناہ، ثواب، جنت، جہنم جیسے عناصر کو رکھ دیا گیا ہے کہ وہ خود ہی ان کی مدد سے اپنے وجود کا جواز تلاش کرلے، لیکن یہ معلوم نہیں کہ کیسے؟ وہ شاکی ہے کہ کبھی بھی کچھ بے مزد کیوں نہیں ملتا؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ کبھی انسان یونہی نوازا جائے؟ تاریخی و تہذیبی عناصر ہمارے لیے مقدم تو ضرور ہیں لیکن ہم ان کی مدد سے راستوں کا تعین نہیں کر سکتے۔ شاعر اپنی شخصیت کی شکستگی کا سبب اس زمین کو قرار دیتا ہے۔ زمینی مسائل نے اس کے ذہن کو بیمار کر دیا ہے۔ وہ اس لمحے سے ڈرتا ہے کہ جب زمینی کارن خود زمین کو تباہ کر دیں گے۔ شاعر مذہب کی فرقہ ورایت سے بھی شکوہ کناں ہے اور کچھ معاملات میں خدا کی خاموشی بھی اسے بری طرح کھٹکتی ہے۔ ایسے عالم میں وہ خود کو اسی ہجوم کا حصہ بنا لینے کا عندیہ دیتا ہے کہ جس کا مطمح نظر زندگی کو مادی عناصر سے ماپتے ماپتے خود کو خرچ کر دینا ہے۔ نظم کے آخری دو مصرعے بے بسی کی انتہا کو چھو رہے ہیں۔ جب انسان کو اپنے ہونے کا جواز نہیں ملتا تو وہ لامحالہ خود اذیتی کا شکار ہو جاتا ہے اور آخری دو مصرعے اسی خود اذیتی سے عبارت ہیں۔ نظم کے مجموعی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اختر الایمان کس مہارت سے متنوع موضوعات کو ایک ہی عنوان کے تحت اکٹھا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی نظموں کی اس کثیر الجہت مطالعاتی نوعیت نے ناقدین کو ان کی جانب بخوبی متوجہ کیا ہے۔ مذکورہ نظم اور اس قبیل کی دیگر نظموں کی بابت شمس الرحمٰن فاروقی اپنے مضمون "اختر الایمان" میں رقمطراز ہیں:

"اپاہج گاڑی کا آدمی" اور اس نوع کی دوسری نظمیں اختر الایمان کی غیر معمولی انفرادیت کی دلیل ہیں۔ ان نظموں کی پہلی قوت اس بات میں ہے کہ ان سے وہ نتیجے نہیں نکل سکتے جو متوقع، رسم بند اور سیدھی لکیر والے طریق کار کو کام میں لانے والی نظموں سے نکالے جا سکتے ہیں یا نکل سکتے ہیں۔"(1)

یعنی اختر کا روایت سے انحراف ان کی نظم گوئی سے ثابت ہے۔ ان کی اس روایت شکنی نے نہ صرف ان کی نظم پر ناقدانہ نظر کی ضرورت پیدا کی بلکہ ان کی شاعری کے ترجمہ کا جواز بھی پیدا کیا۔ ان کے مترجمین میں بیدار بخت، Leslie Lavigne اور Kathleen Grant Jaeger کے نام نمایاں ہیں۔ ان مترجمین نے اختر کی نظموں کے انگریزی تراجم مع توضیحات Query Of The Road کے نام سے شائع کیے ہیں۔ ان تراجم کا معیار اور ان کی قدر کے تعین کا فریضہ ابھی سر انجام نہیں دیا گیا۔ یہ تو طے ہے کہ اختر کی شاعری ایک مخصوص سماج و ثقافت کی آئینہ دار ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ان کی شاعری کے انگریزی تراجم اس مخصوص ثقافت کی ترجمانی میں کامیاب ہیں یا نہیں؟ اس کا حتمی جواب ماخذ متن و ہدف متن کے تقابلی مطالعہ سے ہی مل سکتا ہے۔ اختر الایمان کی شاعری کے تراجم کے باب میں نصیب خان کا مضمون بعنوان "اختر الایمان کی شاعری کے تراجم، ترادف کے مسائل" اختر کی شاعری میں موجود ثقافتی عناصر کی ترجمہ کاری کے مسائل کو اجاگر کرنے اور ان کے سد باب کی پیشکش کی ایک عملی کوشش ہے تاہم صرف ایک مضمون میں اختر کی شاعری کے انگریزی تراجم کے حسن و قبح کو جانچ لینا بہر حال ناممکن ہے۔ اختر کی نظم "اپاہج گاڑی کا آدمی" کا انگریزی ترجمہ بیدار بخت اور Lesile Lavigne کی مشترکہ کاوش ہے۔ واضح رہے کہ بیدار بخت کے اختر الایمان کے ساتھ قریبی تعلقات تھے یہاں تک کہ بیدار بخت اختر کی ادبی خدمات کے حوالے سے ایک ٹرسٹ قائم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جس کی بوجوہ چند تکمیل نہ ہو سکی۔ اس قدر وابستگی بیدار بخت سے از خود متقاضی ہے کہ انہیں اختر کی شاعری کا کلی درک ہو۔ ذیل میں بیدار بخت اور ان کے معاون کی اختر کی مذکورہ نظم کی ترجمانی کا تنقیدی مطالعہ پیش ہے۔

اپاہج گاڑی کا آدمی

کچھ ایسے ہیں جو زندگی کو مہ و سال سے ناپتے ہیں
گوشت سے، ساگ سے، دال سے ناپتے ہیں
خط و خال سے، گیسوؤں کی مہک، چال سے ناپتے ہیں
صعوبت سے، جنجال سے ناپتے ہیں

یا اپنے اعمال سے ناپتے ہیں
مگر ہم اسے عزمِ پامال سے ناپتے ہیں (2)

MAN IN A WHEELCHAIR

There are some who measure

Their lives by the calendar

Others measure theirs by bread

Or by the tresses of their beloved.

Then, there are those

Who measure their lives by their miseries

Or by their deeds;

But we measure ours by our faltering will.(3)

نظم کے اردو عنوان کا انگریزی ترجمہ راست ترجمانی کی عمدہ مثال ہے۔ اردو عنوان میں استعمال حرف اضافت "کا" کو انگریزی زبان کے حرف اضافت of کی صورت ترجمہ کرنے کی بجائے اس کا انگریزی حرف جار in سے تبادلہ کیا گیا ہے جو ماخذ متن کے مفاہیم کی کامیاب ترجمانی کے ضمن میں مترجمین کی بصیرت کا مظہر ہے۔ نظم کے پہلے مصرعے کی ترجمانی بھی راست خطوط پر کی گئی ہے تاہم اگلی سطر میں مذکور "گوشت، ساگ، دال" کے مقابل انگریزی زبان سے صرف bread کا لفظ منتخب کیا گیا ہے جو متن کی کامل عکاسی میں ناکام ہے۔ لفظ bread ایک عمومی لفظ ہے جو ہر طبقے کا نمائندہ ہے کیونکہ ہر طبقے کا فرد روٹی کھاتا ہے۔ جبکہ اردو متن میں گوشت، ساگ اور دال کا مذکور معاشرے کے مختلف طبقات کا اظہار ہے جس کی ترجمانی bread سے نہیں ہو رہی۔ اسی طرح ترجمہ کی اگلی سطر میں "خط و خال، گیسوؤں کی مہک اور چال" کے لیے صرف tresses کا لفظ ہی کافی سمجھ لیا گیا ہے ۔ متن کے اس مصرعے میں بطور مجموعی ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے نزدیک زندگی کا معیار خوب صورتی ہے۔ خط و خال، گیسو اور چال خوبصورتی کی چند علامتیں ہیں جنہیں متن میں بیان کیا گیا ہے لیکن ترجمہ میں صرف گیسو کی ترجمانی کرتے ہوئے ان علامات میں مزید تخفیف کر دی گئی ہے جس کی بنا پر متن کا پورا تصور ترجمہ میں نہیں ملتا۔ ترجمہ کی اگلی سطر میں "صعوبت، جنجال" کے مقابل اگرچہ لفظِ واحد miseries مستعمل ہے تاہم اسے اس مد میں قبول کیا جا سکتا ہے کہ یہ اردو مترادفات کی مجموعی عکاسی کا حق ادا کر رہا ہے۔

یہ لمحہ جو گزرا مرے خون کی اس میں سرخی ملی ہے؟
مرے آنسوؤں کا نمک اس کی لذت میں شامل ہوا ہے؟
پسینہ سے گرداب ساحل ہوا ہے؟
یہ لاکا سفر لا رہے گا کہ کچھ اس کا حاصل ہوا ہے
کہ جیسی تھی برسوں سے ویسی ہی تشنہ دلی ہے؟(4)

Has the moment just passed
Been enriched by the glow of my blood?
Has its taste been enhanced
By the salt of my tears?
Has the sweat of my brow
Ever turned a whirlpool into a shore?
Will this journey of nothingness lead somewhere
Or end in nothing itself?
Will my desire remain unfulfilled
As usual?(5)

نظم کے متن میں شاعر گزشتہ لمحات میں اپنے خون کی سرخی کی شمولیت کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ ترجمہ میں خون کی اس سرخی کو glow of my blood سے تعبیر کیا گیا ہے جو مناسب نہیں۔ خون کی سرخی شاعر کی اس اذیت کی جانب مشارہے کہ جو ان لمحوں کو بتاتے ہوئے اس نے جھیلی ہے۔ جبکہ glow کا لفظ تو مذکورہ لمحات کو اجالنے کا عندیہ دے رہا ہے جس کی تائید enriched کے لفظ سے بھی مل رہی ہے۔ یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ ترجمہ کے مطابق خون وقت کی تعمیر میں شامل ہے جبکہ متن میں تخریب کا عنصر نمایاں ہے۔ البتہ لمحاتِ مذکور میں آنسوؤں کا نمکین ذائقہ متن کے ساتھ ساتھ ترجمہ میں بھی خوب محسوس کیا جا سکتا ہے۔ "پسینہ سے گرداب ساحل ہوا ہے؟" کی ترجمانی کرتے ہوئے مترجمین نے بلاضرورت زوائد روا رکھے ہیں۔ پسینہ کے بیان میں the sweat of my brow کا مذکور ملتا ہے جس میں my brow کی ترکیب سراسر اضافی و الحاقی ہے۔ نہ ہی متن اس مقام پر ایسا گنجلک ہے کہ اس کی توضیح کے لیے یہ الحاق روا رکھا جائے۔ Ever کا استعمال بھی زائد از ضرورت ہے کیونکہ متن میں گرداب کے ساحل ہونے کا سوال بغیر کسی ظرف زماں کے تذکرہ کے بغیر ملتا ہے۔ "یہ لاکا

سفر لا رہے گا کہ کچھ اس کا حاصل ہوا ہے" کا ترجمہ بھی غیر واضح ہے۔"یہ لا کا سفر لا رہے گا" میں "لا" کے مستقبل کے بارے میں استفہام ہے جبکہ "کچھ اس کا حاصل ہوا ہے" کے الفاظ سے "لا" کے سفر کی تادم موجود صورت حال دریافت کی گئی ہے۔ ترجمہ میں دونوں بیانات کو ایک ہی مستقبل کے کھاتے میں ڈال کر متن کی اس کیفیت کو ختم کر دیا گیا ہے جس میں "حاصل" کی کچھ امید معلوم ہوتی ہے نیز "حاصل" کو lead somewhere سے تعبیر کر کے اصل متن کی روح ختم کر دی گئی ہے۔ "حاصل" ایک مطلق احساس ہے جو ترجمہ میں مفقود ہے۔ "لا" کے لیے nothingness کا لفظ البتہ عمدہ انتخاب ہے۔ "کہ جیسی تھی برسوں سے ویسی ہی تشنہ دلی ہے؟" کی ترجمانی کا بھی حق ادا نہیں کیا گیا۔ "تشنہ دلی" کو desire سے تعبیر کیا گیا ہے جو مناسب نہیں۔ desire سے کسی چیز کو پالینے یا کچھ کر لینے کی خواہش کا اظہار ضرور ہوتا ہے لیکن اس میں وہ کسک اور تڑپ محسوس نہیں ہوتی جو "تشنہ دلی" کا خاصا ہے۔ اسی طرح "برسوں سے" کو as usual سے تعبیر کرنا بھی مناسب نہیں کیونکہ متن میں جس طرح وقت کا تعین کیا گیا ہے، ترجمہ میں اس کی جگہ عمومیت غالب ہے۔

میں کب سے زمیں پر زمیں کی طرح چل رہا ہوں
یہ دیوانہ اندھا سفر کب کہاں جا کے چھوڑے گا مجھ کو(6)

For a long time, I have been walking on this earth

Like the earth itself.

Where will this blind and mad journey lead me?(7)

نظم کے متن میں "کب" کا اسم استفہام نمایاں ہے جس کا کوئی جواب شاعر خود دینے سے قاصر ہے۔ ترجمہ میں اس کے برعکس "کب" کو For a long time سے تعبیر کر کے وقت کی ایک پیمائش دے دی گئی ہے جبکہ اگلی سطر میں مستعمل "کب" کو ترجمہ میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اس مقام پر متن کی مجموعی تفہیم تو ہو رہی ہے تاہم متن کا سا استفہامیہ انداز ترجمہ میں نہیں ہے۔

میں اس زندگی کی بہت سی بہاریں غذا کی طرح کھا چکا ہوں
پہن اوڑھ کر پیرہن کی طرح پھاڑ دی ہیں
میں ریشم کا کیڑا ہوں کویے میں چھپ جاتا ہوں ڈر کے مارے
اسی کویے کو کھاتا رہتا ہوں اور کاٹ کر اس سے آتا ہوں باہر
اور اپنے جینے کا مقصد، سبب جاننا چاہتا ہوں(8)

I have consumed many springs of this life like food;

I have worn them out like clothes.

I am a silkworm;

Frightened, I hid in my cocoon.

I eat my own cocoon

And emerge from it

To learn the cause and reason for my living.(9)

متن کے اس حصے کی بہترین ترجمانی کی گئی ہے۔ ترجمہ نہ صرف لغوی اعتبار سے بلکہ معنوی اعتبار سے بھی متن کے مساوی ہے۔ زندگی کی بہاروں کو کھانے اور پہن اوڑھ کر پھاڑ دینے کا جو بیان متن میں ملتا ہے، وہی کیفیت ترجمہ میں بھی موجود ہے۔ حتیٰ کہ شاعر جینے کا "مقصد، سبب" جاننے کے لیے جو تکرارِ معنوی متن میں برت رہا ہے، ترجمہ میں بھی اسے cause and reason کی صورت برقرار رکھا گیا ہے۔ اس مقام پر ترجمہ متوازی ترجمہ یا مساوی متن کی بہترین مثال کے طور پر سامنے آتا ہے۔

مرا دل خدا کی رضا ڈھونڈتا پھر رہا ہے
مرا جسم لذات کی جستجو میں لگا ہے
گزر گاہِ شام و سحر پر کہیں ایک دن میں اُگا تھا
نباتات کی طرح جیتا ہوں اس کار گاہِ جہاں میں
نہ احساس، ایمان، ایقان کوئی
گنہ اور جہنم، ثواب اور جنت؟(10)

My heart searches for the will of God

And my body hounds for pleasures.

I grew one day on the pathway of days and nights.

I live like plants in this world.

I have no feeling, no faith, no knowledge.

I am not a part of this world,

Nor do I have my own identity.

I do not know the meaning of

Sin, hell, virtue or Paradise.(11)

متن کی ابتدائی سطر کا ترجمہ موزوں ہے۔ دوسری سطر کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجمین نے "جستجو" کے لیے hounds کا لفظ منتخب کیا ہے جو انتخابِ لفظ کی بہترین مثال ہے۔ متن کی اگلی دو سطور کا ترجمہ بھی متوازی ترجمانی کی اچھی مثال ہے۔ "گنہ اور جہنم، ثواب اور جنت؟" کے ترجمہ میں البتہ خاصے زوائد برتے گئے ہیں۔ ترجمہ کی آخری چار سطور کی بنت متن کی اس ایک سطر پہ کی گئی ہے۔ متن میں نشانِ استفہام کی صورت جو اسرار روا رکھا گیا ہے، ترجمہ میں اس کی گرہیں خواہ مخواہ ہی کھول دی گئی ہیں۔ بطور مجموعی، ترجمہ میں I کا صیغہ اس قدر کثرت سے برتا گیا ہے کہ متن میں جو متکلم اپنی نفی کرتا نظر آتا ہے، ترجمہ میں غالب ہو جاتا ہے۔

یہ کیوں ہے کہ بے مزد کچھ بھی نہیں مل سکا ہے
نہ کل مل سکے گا!
اساطیر، فرماں رواؤں کے احکام اور صوفیا کی کرامت کے قصے
پیمبر کی دل سوزیوں کے مظاہر
قلم بند ہیں سب!
انہیں ہم نے تعویذ کی طرح اپنے گلوں میں حمائل کیا ہے
انہیں ہم نے تہہ خانوں کی کوٹھڑی میں مقفل کیا ہے
جہاں لڑکھڑاتے ہیں ان کی مدد لے کے چلتے ہیں آگے
مگر راستوں کا تعین نہیں ہے!(12)

Why is it that nothing ever came easy to me?

Will it ever?

Fables, the edicts of rulers, the miracles of saints,

And the hardships of the Prophets

Are all recorded.

We hang them around our necks

As talisman.

We have locked them in underground cellars.

Whenever we falter, we seek their support,

But we don’t know where to go.(13)

پہلی سطر کے ترجمہ میں "بے مزد" کی معکوس اور معقول عکاسی کی گئی ہے۔ تاہم دوسری ہی سطر کا ترجمہ کرتے ہوئے متن کی قطعیت کو استفہام میں بدل دیا گیا ہے۔ شاعر کے ہاں یہ طے ہے کہ اسے کچھ حاصل نہیں، البتہ وہ اس لاحاصلی کی وجہ جاننا چاہتا ہے۔ ترجمہ میں استفہامیہ انداز امید کی جوت جگاتا ہوا محسوس ہوتا ہے جو متن اور ترجمہ کے مدعا میں فارق ہے۔ متن کے باقی حصے کی ترجمانی البتہ عمدہ انداز میں کی گئی ہے۔

میں بکھرا ہوا آدمی ہوں
مری ذہنی بیماریوں کا سبب یہ زمیں ہے
میں اس دن سے ڈرتا ہوں جب برف ساری پگھل کر
اسے غرق کر دے!
نئے آسمانی حوادث
صفر میں بدل دیں!
یا آدمی اپنے اعمال سے خود
اسے اک کہانی بنا دے!
زمیں شورہ پشتوں کی آماجگہ بن گئی ہے!(14)

I am a broken, scattered man.

This earth is the root of my mental illness.

I am scarred of the day

When the earth will be submerged

Under melted snow and ice;

When it will be turned into nothingness

By new disasters from the heavens, or

When man will turn it into a tale

By his own deeds.

The earth has become a target for the unruly.(15)

متن کے اس حصے کی ترجمانی نسبتاً متوازی خطوط پر کی گئی ہے۔ کچھ مقامات پر زوائد ملتے ہیں، جیسا کہ "بکھرا ہوا" کے لیے broken اور scattered کے الفاظ مستعمل ہیں۔ اسی طرح "برف" کے لیے snow اور ice کے مترادفات مستعمل ہیں۔ یہاں اول الذکر زوائد کو توضیحی مد میں رعایت دی جا سکتی ہے کیونکہ ان سے کیفیتی توضیح ثابت ہے۔ البتہ موخر الذکر زوائد استزادِ محض کی مثال ہیں کیونکہ دونوں الفاظ کی منتہا ایک ہی ہے۔ "صفر" کی تعبیر nothingness سے کی گئی ہے جو اگرچہ لغوی نہیں تاہم انتہائی معقول ہے اور بین السطور مفاہیم کی بخوبی ترسیل ہو رہی ہے اور یہ تسلسل آخر تک قائم ہے۔ آخری سطر میں "شورہ پشتوں" کے مقابل unruly کا لفظ اگرچہ متوازی نہیں تاہم مناسب ہے۔

خدا ایک ہے یوں تو واوین میں صاف لکھا ہوا ہے
مگر زیر واوین بھی چھوٹی چھوٹی بہت تختیاں ہیں
جلی حرف جن کے بہت امتوں کا پتا دے رہے ہیں
جو یہ تختیاں اپنی گردن میں لٹکائے
زنار پہنے ہوئے کوئی تسبیح تھامے
اپنی گردِ سفر کے دھندلکے میں لپٹے چلے جا رہے ہیں(16)

It is clearly stated in the commandments
That there is only one God;
But the small print on the tiny tablets
Has led to many sects.
Their followers,
Wearing these tablets as necklaces,
Or holding prayer beads,
Or wearing the sacred thread,
Are getting more and more wrapped
In the cloud of the dust of their feet.(17)

متن کی پہلی سطر کا ترجمہ متوازی ہے تاہم اگلی دو سطور کی ترجمانی عمومی خطوط پر کی گئی ہے جس کی بنا پر متن کا حسن ترجمہ میں نہیں جھلکتا۔ متن میں جن افراد کو فقط "جو" کہا گیا ہے ترجمہ میں ان کی تجسیم Their followers, سے کی گئی ہے جو زائد از متن ہے۔ تاہم اس کے بعد کے متن کا ترجمہ مناسب ہے۔ ترجمہ کی بعض تعبیرات انتہائی موزوں ہیں۔ "دھند لکے" کے لیے cloud کا لفظ تو مفہوم کی توضیح کا ہی کام کر رہا ہے لیکن "گردِ سفر" کے لیے dust of feet کی ترکیب تفہیمِ متن کے ساتھ ساتھ ذو معنویت کی بھی حامل ہے۔ متن میں مختلف عقائد کے حامل افراد کا مذکور ملتا ہے۔ ان تمام کا مرکزی عقیدہ اگرچہ توحید ہی ہے لیکن ذیلی عقائد مختلف ہیں۔ کوئی مسلمان کوئی ہندو تو کوئی بدھ مت سے تعلق رکھتا ہے۔ "گرد سفر" کے علاوہ لغوی طور پر dust of feet سے مراد "خاکِ پا" بھی لیا جاسکتا ہے اور متنی تناظر میں دیکھا جائے تو مختلف عقائد کے مسافر اپنے اپنے دائرے میں چلتے ہوئے اپنے ہی قدموں کی دھول میں اٹے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔

زیتون کی شاخ، تلسی کے پتے

ہوا میں اڑے جارہے ہیں

چیونٹوں کی قطاریں قرن در قرن

مختلف، پیچ در پیچ راہوں سے گزری چلی جارہی ہیں

سیکڑوں سر کٹے دھڑ بہت راستوں میں پڑے ہیں

ہون ہو رہے ہیں(18)

Leaves of sacred tulsi and olive branches

Are scattered in the air.

Age after age, rows of ants

Pass through winding paths.

Headless bodies clutter the roads.(19)

ترجمہ کی پہلی سطر میں زیتون کے لیے olive جبکہ تلسی کے لیے tulsi کا لفظ مستعمل ہے۔ ایک ہی مقام پر ایک ہی قبیل کی دو اجناس کے لیے ایک جگہ پر مساوی متن اور دوسری جگہ پر مقامی متن کی صوتی تشکیل کی گئی ہے۔ اگرچہ تلسی کے لیے مساوی متن موجود ہے تاہم مترجم نے متن کی تہذیب سے قربت روا رکھتے ہوئے اصل لفظ کو ہی ترجمہ میں استعمال کیا ہے۔ پھر تلسی کے ساتھ sacred کا لفظ مستعمل ہے جس کا شمار توضیحی زوائد میں کیا جاسکتا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی اسے sacred tree سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مابعد متن متوازی خطوط

پر ترجمہ کیا گیا ہے۔ متن کی آخری سطر کے مقابل ترجمہ نہیں ملتا۔ "ہون" ایک مخصوص رسم ہے جس کا متن میں مذکور متن کی تہذیب مرتب کرنے میں اہمیت کا حامل ہے۔ اس رسم میں قربانی کی جاتی ہے۔ متن میں سینکڑوں سر کٹے دھڑ اسی قربانی کی جانب مشارہیں۔ متن میں ان کے "ہون" ہونے سے ان کی قربانی کا اظہار ہو رہا ہے، ترجمہ میں البتہ اس قربانی کی حتمی صورت حال مفقود ہے۔

یگیہ کے منتروں کی صدا
آگ میں جلنے والی سامگری کی بہت تیز بو
ہر طرف پھیل کر بس گئی ہے ہوا میں (20)

Elaborate ceremonies are held to appease the gods.

Sacred chants and incense

Fill the air.(21)

متن کے اس حصے کا ترجمہ قطعی غیر موزوں ہے۔ یگیہ کے لیے Elaborate ceremonies کے الفاظ سراسر تعبیری ہیں۔ یہ درست ہے کہ انگریزی تہذیب میں یگیہ کا تصور نہیں ہے تاہم یہاں تعبیری ترجمانی کی بجائے متن کی مساوی صوتی تشکیل ہی بہتر تھی کیونکہ جو مفاہیم یگیہ سے وابستہ ہیں وہ Elaborate ceremonies سے اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ یگیہ کی اس ترجمانی کی موزونیت کو ثابت کرنے کے لیے to appease the gods کا الحاق بھی روا رکھنا پڑا ہے جس کی بنا پر متن کا اختصار ترجمہ میں خواہ مخواہ طول پکڑ گیا ہے۔ دوسری جانب "آگ میں جلنے والی سامگری کی بہت تیز بو" کے مقابل incense کے اختصار کی صورت متن کی سنگینی کو ترجمہ میں محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

اور واوین کی قید میں جو خدا ہے
لامکاں سے
جو ہوتا ہے، ہوتا رہا ہے
بیٹھا، چپ چاپ سب دیکھتا ہے (22)

And the omnipresent God,

Trapped forever in the commandments,

Watches everything quietly.(23)

ترجمہ میں خدا کے omnipresent کی صفت کا بیان الحاقی ہے۔ اسی طرح Trapped کے ساتھ forever کا بیان بھی الحاقی ہے۔ متن کے اس حصے کا سب سے اہم مذکور "لامکاں" ہے اور ترجمہ میں اسی مذکور کو حذف کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے متن کی روح ترجمہ میں بالکل بھی محسوس نہیں ہوتی اور ترجمہ کارِ محض سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔

ہم بھی کیوں نہ خدا کی طرح یونہی چپ سادھ لیں
پیڑ پودوں کی مانند جیتے رہیں
ذبح ہوتے رہیں!
وہ دعائیں جو بارود کی بو میں بس کر
بھٹکتی ہوئی زیرِ عرشِ بریں پھر رہی ہیں
انہیں بھول جائیں!(24)

Why don't we assume silence like God?

We could live like plants and trees

And be massacred like them.

We might as well forget

Our gunpowder-smitten prayers

Which wander aimlessly on the skies. (24)

ترجمہ کی پہلی سطر متن کے تقریباً متوازی ہے اور اس میں متن ہی کی مثل استفہام بھی موجود ہے۔ لیکن دوسری اور تیسری سطر کے ترجمہ میں یہ استفہامیہ انداز اثبات میں بدل جاتا ہے اور could کا اثباتی استعمال متن کے زمانہ حال کی ترجمانی زمانہ ماضی میں کر رہا ہے۔ ترجمہ کی تیسری سطر میں مستعمل massacred کی صورت بھی یہی زمانی اختلاف واقع ہو رہا ہے۔ بعد کے متن کی ترجمانی موزوں ہے۔ بارود میں بسی ہوئی دعاؤں کے لیے gunpowder-smitten prayers کے الفاظ عمدہ انتخاب لفظی کا مظہر ہیں۔

زندگی کو خدا کی عطا جان کر ذہن ماؤف کر لیں
یاوہ گوئی میں یا ذہنی ہزیان میں خود کو مصروف کر لیں
ان میں مل جائیں جو زندگی کو
گوشت سے، ساگ سے، دال سے ناپتے ہیں

مہ و سال سے ناپتے ہیں
اپنا ہی خون پینے لگے ہیں
چاک دامانیاں غم سے سینے لگے ہیں!

We should, perhaps, make our minds numb

By regarding our life as a gift of God;

Or busy ourselves in absurd talk;

Or become one of those

Who measure their lives

By bread and butter.

Or by months and years;

Or who drink their own blood

To quench their thirst;

Or who seek remedy for their griefs

By their own scourges. (25)

متن کی ابتدائی دو سطور کی ترجمانی متوازی انداز میں کی گئی ہے۔ یاوہ گوئی اور ہذیان کے لیے absurd talk کی ترکیب واحد مستعمل ہے تاہم کاری ہے۔ نظم کی شروعات کی طرح یہاں بھی گوشت ساگ اور دال کے لیے bread and butter کی ترکیب ترجمہ کی تہذیب کو متن کی تہذیب پر غالب ظاہر کرتی ہے۔ ترجمہ میں خون پینے کے ذکر کے ساتھ ;To quench their thirst کا مذکور الحاقی ہے۔ متن کی آخری دو سطور کا ترجمہ لغوی نہیں البتہ معنوی اعتبار سے مناسب ہے۔

نظم کے مکمل ترجمے کا اجمالی جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ متن کا ایک بڑا حصہ ترجمہ کے عمل میں اپنے معنی کھو بیٹھا ہے۔ ترجمہ شدہ متن کے مفاہیم کا ماخذ متن سے اختلاف کافی مقامات پر واضح ہے۔ یہ کہنا تو مناسب نہیں کہ تمام ترجمہ ہی لغو ہے۔ کئی مقامات پر انتخاب لفظی کی بہترین مثالیں موجود ہیں۔ اس ضمن میں گردِ سفر، بارود میں اٹی دعاؤں، چیونٹیوں کے سر کٹے دھڑ اور بالخصوص "لا" کی ترجمانی کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ زیادہ تر مقامات پر متن کی معنویت ترجمہ میں در آنے سے قاصر ہے۔ شاعر نے جتنے سادہ انداز و الفاظ میں جتنے اہم موضوع کو مسئلہ بنایا ہے ترجمہ میں اس اہمیت میں کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے۔ پھر مخصوص علائم کی

ناقص ترجمانی موضوع کی معنویت میں مزید تخفیف کا باعث ہے۔ مثال کے طور پر "یگیہ" اور "ہون" کی نامناسب ترجمانی ایک طرف تو متن کی معنویت کو ترجمہ میں نہیں آنے دیتی اور دوسری طرف متن کی تہذیب کی پاسداری بھی ترجمہ میں نظر نہیں آتی۔ یہی قباحت گوشت، ساگ اور دال کے لیے bread and butter کی ترکیب استعمال کرنے میں ہے۔ ترجمہ میں حذوف بھی خاصے ہیں اور زوائد و الحاقی متن کی شرح تو حذوف سے بھی زیادہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ مترجمین اس اہم موضوع کی حامل نظم کی ترجمانی سے قبل نظم کا مکمل درک حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ترجمہ کے بعد نظر ثانی کا فریضہ بھی سر انجام دیتے۔ ایسے میں ممکن تھا کہ متن کی عین معنویت ترجمہ میں بھی محسوس کی جاتی۔ بہر حال، نظم کے ترجمہ کی مکمل تصویر ادھوری ہے اور ابلاغ کا ادھورا پن نمایاں ہے۔ ایسے میں مترجمین کی یہ کاوش شوق کی مزدوری کی غمازی تو کرتی ہے، متن کی عینیت کی ترجمانی کا حق بہر حال ادا نہیں کرتی۔ اس ضمن میں نصیب خان کا یہ تجزیہ بالکل درست ثابت ہوتا ہے کہ:

> "ترجمے کے دوران اصل لفظ کا ہدف زبان میں متبادل تلاش کرنا نہیں ہوتا بلکہ ایک تہذیبی معنویت کو دوسری تہذیبی معنویت میں ڈھالنا بھی ہوتا ہے۔ بیدار بخت کے ترجموں میں عمومی سنجیدگی کا فقدان ہے۔"(26)

یہاں اگر مترجم بیدار بخت کے علاوہ کوئی بھی ایسا شخص ہوتا کہ جسے اختر سے خصوصی نسبت نہ ہوتی تو اختر فہمی کے ضمن میں اس کی کوتاہ بینی کو رعایت بھی دی جا سکتی تھی تاہم بیدار بخت کا یہ نسبتاً غیر سنجیدہ انداز بہر طور ناقابل قبول ہے کیونکہ وہ نہ صرف اختر کے مصاحب تھے بلکہ خود بھی اسی سماج کے پروردہ تھے جس کا مذکور اختر کے ہاں ہے، پھر ایسا کیوں ہے کہ ان کا ترجمہ کیا گیا متن اصل متن سے فارق ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اول تو اختر کے افکار کی معنویت کو اجاگر کرنے کے لیے ان کی شاعری کا کثیر الجہتی مطالعہ ہونا چاہیے اور پھر اس کے بعد انتہائی احتیاط کے ساتھ دیگر کسی بھی زبان میں اس کی ترجمانی کا عمل واقع ہونا چاہیے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ شمس الرحمٰن فاروقی، اختر الایمان، مشمولہ اختر الایمان، اطہر فاروقی (مرتب)، (نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند) ۲۰۱۶ء) ص 32

2۔ اختر الایمان، زمین زمین (بمبئی، رخشندہ کتاب گھر، ۱۹۹۰ء) ص:64

3-Baidar Bakht (Editor), Query Of The Road(India,Rupa & Co, 1996) P:538

4۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:65-64

5-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:538

6۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:65

7-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:538

8۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:66-65

9-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:540

10۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:66

11-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:540

12۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:67

13-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:540-542

14۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:68

15-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:542

16۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:69

17-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:544

18۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:69-70

19-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:544

20۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:70

21-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:544

22۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:70-71

23-Baidar Bakht, Query Of The Road, P:546

24۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:71، اس کے ساتھ بیدار بخت کی نظم کا صفحہ نمبر 546 ہے۔

25۔ اختر الایمان، زمین زمین، ص:71-72، نیز اس کے ساتھ بیدار بخت کی نظم کا کا صفحہ نمبر 546-48 ہے۔

26۔ اے نصیب خان، اختر الایمان کی نظموں کے انگریزی تراجم ترادف کے مسائل، مشمولہ: اطہر فاروقی (مرتب)، اختر الایمان، (نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، ۲۰۱۶ء) ص:115